دارالعلوم دیوبند اور اس کا مزاج و مذاق

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ

۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ بمطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۷ء کو نہایت سادگی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کی عظیم دینی درس گاہ آغاز کیا گیا۔ اس درس گاہ کے بانیوں کا مقصد چوں کہ دین کی پر خلوص خدمت تھی، اس لیے اس کے قیام کے لیے نہ اخبار واشتہار کا اہتمام ہوا، نہ اس مقصد کے لیے کوئی باضابطہ بورڈ قائم کیا گیا، نہ شہرت اور نام و نمود کے دوسرے طریقے اختیار کیے گئے۔ بس اللہ کے کچھ مخلص بندوں نے دیوبند کے چھوٹے سے قصبے کی ایک چھوٹی سی مسجد میں جسے چھتہ کی مسجد کہتے تھے، ایک انار کے درخت کے نیچے آب حیات کا یہ چشمہ جاری کر دیا۔ اس عظیم الشان تعلیمی منصوبے کو عملاً شروع کرنے والے صرف دو افراد تھے۔ ایک استاد ایک شاگرد۔ دونوں کا نام محمود تھا۔ استاد حضرت ملا محمود دیوبندیؒ تھے جنہیں مدرس کی حیثیت میں میرٹھ سے بلا گیا تھا اور شاگرد دیوبند کے ایک نوجوان محمود حسن تھے جو بعد میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کے نام سے معروف ہوئے اور جنہوں نے اپنی ریشمی رومال تحریک کے ذریعے انگریزی حکومت کے ایوانوں میں زلزلہ برپا کر دیا۔

دارالعلوم دیوبند کی ابتداء ایک انار کے درخت کے سائے میں ہوئی تھی۔ کسے معلوم تھا کہ یہ دو افراد جو اتنی مسکنت اور گم نامی کے ساتھ یہاں ایک چشمہ جاری کر رہے ہیں، بالآخر برصغیر کی تاریخ کا رخ موڑ کر رکھ دیں گے، لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ اسی سادہ سی درس گاہ سے علم و فضل کے ایسے ایسے آفتاب و ماہتاب پیدا ہوئے جنہوں نے ایک دنیا کو جگمگا کر رکھ دیا۔ درس گاہیں دنیا میں بہت سی قائم ہوئی ہیں۔ دینی درس گاہوں کا بھی کسی دور میں فقدان نہیں ہوا، لیکن اللہ نے دارالعلوم دیوبند کو جو فضیلت اور جو امتیاز بخشا وہ بہت کم علمی اداروں کے حصے میں آتا ہے۔ یہاں مجھے مختصراً اسی امتیاز کو واضح کرنا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ محض ایک درس گاہ کا نہیں ایک خاص نظریے اور ایک خاص طرزِ عمل کا نام ہے۔ اس درس گاہ کی بنیاد چوں کہ اس لیے رکھی گئی تھی کہ اس کے ذریعے اسلامی علوم کو اپنی صحیح شکل و صورت میں محفوظ رکھا جائے، اس لیے اس کا مسلک یہ رہا ہے کہ دین صرف کتابی حروف و نقوش کا نام نہیں ہے اور نہ دین محض کتابوں سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اللہ نے ہمیشہ کتاب کے ساتھ رسول کو اس لیے بھیجا ہے کہ وہ اپنے عمل سے کتاب کی تفسیر کرے۔ چنانچہ ایسی مثالیں تو ملتی ہیں کہ دنیا میں رسول بھیجے گئے مگر کتاب نہیں آئی لیکن ایسی مثال کوئی ایک بھی نہیں ہے کہ صرف کتاب بھیج دی گئی ہو اور اس کے ساتھ رسول کوئی نہ آیا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت بتاتی ہے کہ دین کو سمجھنے، سمجھانے اور پھیلانے، پہنچانے کا راستہ صرف کتاب نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ وہ اشخاص بھی ہیں جو کتاب کا عملی پیکر بن کر اس کی تفسیر و تشریح کرتے ہیں، لہٰذا دین کو سمجھنے کے لیے کتاب اللہ اور رجال اللہ، لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں سے ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ قرآن کریم کو آنحضرت ﷺ کی تفسیر و تشریح کی روشنی میں اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کو صحابہ و تابعین اور دوسرے بزرگان دین کے متواتر عمل کی روشنی میں ہی ٹھیک سمجھا جا سکتا

ہے۔اس کے بغیر دین کی تعبیر و تشریح کی ہر کوشش گمراہی کی طرف جاتی ہے۔

ہاں دین کے ان سر چشموں میں مراتب کا فرق ضرور ہے۔ جو مقام اللہ تعالیٰ کا ہے وہ کسی نبی کو حاصل نہیں ہو سکتا، جو مرتبہ ایک نبی کا ہے وہ کسی صحابی کو نہیں مل سکتا اور جو درجہ ایک صحابی کو حاصل ہے کوئی بڑے سے بڑا ولی اس درجے تک نہیں پہنچ سکتا۔ بس فرق مراتب کے ساتھ دین کے ان سر چشموں میں سے ہر ایک کے حقوق و حدود کی رعایت دار العلوم دیوبند کا وہ خصوصی مزاج ہے جس نے اسے دوسرے اداروں سے امتیاز عطا کیا ہے اور جس کی بناپر اس کا مسلک مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کے درمیان ایک ایسی راہ اعتدال کی حیثیت رکھتا ہے جو افراط و تفریط سے بچتی ہوئی کتاب و سنت تک پہنچتی ہے۔

اور جب دار العلوم دیوبند کا اساسی نظریہ یہ ٹھہرا کہ دین کتاب اللہ اور رجال اللہ کے مجموعے کا نام ہے تو یہیں سے اس کا ایک دوسرا عملی امتیاز ظاہر ہوتا ہے اور وہ یہ کہ دار العلوم اپنے عہد شباب میں محض ایک علمی درس گاہ نہیں تھی جس میں طلباء کو صرف کتابوں کے حروف و نقوش اور صرف علم کا ظاہری خول پہنایا جاتا ہو بلکہ یہ ساتھ ساتھ ایک عملی تربیت گاہ بھی تھی، جہاں علم کے علاوہ ظاہری بدن میں عمل صالح اور اخلاق فاضلہ کی روح بھری جاتی تھی۔ یہاں سے فارغ ہو کر نکلنے والے صرف ظاہری علوم ہی سے آراستہ نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ عملی اعتبار سے بھی سچے اور پکے مسلمان ہوتے تھے جن کی ہر ہر نقل و حرکت اسلام کی نمائندگی کرتی تھی۔

میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد یسین صاحبؒ دار العلوم کے قرن اول کے طلباء میں سے تھے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے دار العلوم کا وہ زمانہ دیکھا ہے جب اس کے ایک چپراسی سے لے کر صدر مدرس اور مہتمم تک ہر ہر شخص ولی کامل ہوتا تھا۔ دن کے وقت یہاں علوم و فنون کے چرچے ہوتے اور رات کے وقت اس کا گوشہ گوشہ اللہ کے ذکر اور تلاوت قرآن سے گونجتا تھا۔ چنانچہ اس دور میں جو شخصیتیں دار العلوم دیوبند سے تیار ہوئیں انہوں نے عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت، سیاست اور اجتماعی امور میں ایسے ایسے تابناک کردار پیش کیے ہیں کہ آج اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ ان میں سے ہر شخص اسلام کی مجسم تبلیغ تھا۔ وہ جہاں بیٹھ گیا، ایک جہاں کو سچا مسلمان بنا کر اٹھا۔ علم اگر روح عمل سے خالی ہو تو عموماً انسان میں خود پسندی اور پندار پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن دار العلوم دیوبند کا علم چونکہ روکھا پھیکا علم نہ تھا، بلکہ اس میں اخلاق و عمل اور عشق و محبت کا سوز و ساز بھی شامل تھا، اس لیے اس کی تیسری خصوصیت یہ رہی ہے کہ اس کا پورا ماحول تواضع اور سادگی اور بے تکلفی کا ماحول تھا۔ وہاں ہر شخص علم و عمل کا آفتاب ہونے کے باوجود وہ عبدیت اور تواضع کا پیکر تھا۔ اس جماعت کے افراد ایک طرف علمی وقار، استغناء اور خودداری کے حامل تھے اور دوسری طرف فروتنی، خاکساری اور ایثار وزہد کے جذبات سے معمور۔

دار العلوم کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ہر علم و فن میں یکتائے روزگار تھے۔ ان کی تصانیف آج بھی ان کے علوم کی شاہد ہیں، لیکن سادگی کا عالم یہ تھا کہ ان کے پاس کبھی کپڑوں کے دو سے زائد جوڑے جمع نہیں ہوئے۔ دیکھنے والا پتا بھی نہ لگا سکتا تھا کہ یہ وہی مولانا محمد قاسمؒ ہیں جنہوں نے مسلمانوں ہی سے نہیں، غیر مسلموں اور مخالفوں سے بھی اپنے علم و فضل کا لوہا منوالیا ہے۔ حضرت مولانا سید احمد دہلویؒ دار العلوم کے قرن اول کے اساتذہ میں سے تھے اور فلسفہ، ریاضی، ہیئت اور دیگر عقلی علوم میں اس وقت ان کا ثانی نہیں تھا۔ انہوں نے ساری عمر دیوبند کے قصبے میں گزاری اور اس حالت میں دنیا سے تشریف لے گئے کہ دیوبند میں ان کی ذاتی جائداد تو کجا، رہنے کا مکان بھی اپنا نہیں تھا۔ تعظیمی القاب کے تکلفات تو بہت بعد میں پیدا ہوئے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ جو دار العلوم کے پہلے طالب علم تھے اور بعد میں علم و سیاست دونوں میدانوں میں عالم گیر شہرت حاصل کی، جب وہ دار العلوم کے صدر مدرس ہوئے تو انہیں صرف "بڑے مولوی صاحب" کہا جاتا تھا۔

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دار العلوم کے مفتی اعظم تھے، لیکن مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ وہ محلے کی بیواؤں، یتیموں اور بے کس افراد کا سودا

سلف خود اپنے ہاتھوں سے لا کر انہیں پہنچایا کرتے تھے۔ حضرت مولانا سید اصغر حسینؒ (جو حضرت میاں صاحب کے نام سے معروف ہیں) حدیث کے اونچے درجے کے اساتذہ میں تھے، لیکن آخر عمر تک ایک کچے مکان میں مقیم رہے اور صرف اس لیے پختہ مکان نہیں بنوایا کہ محلہ غریبوں کا تھا اور جب تک سب کے مکان پختہ نہ بن جائیں، اپنا مکان پکا کرانے کو دل نہیں مانتا تھا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ جنہیں آج دنیا اس صدی کے عظیم رہنما کی حیثیت سے جانتی ہے اور جنہوں نے ایک ہزار سے زیادہ تصانیف چھوڑی ہیں، ایک امیر گھرانے کے چشم و چراغ تھے، لیکن دار العلوم میں طالب علمی کی زندگی اس طرح بسر کی کہ مدرسے کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد میں رہتے اور طالب علمی ہی کے زمانے میں اوقات کے نظم وضبط کا یہ عالم تھا کہ ان کی مصروفیات کو دیکھ کر وقت معلوم کیا جاسکتا تھا۔ زمانہ امتحان کا ہو یا عام تعلیم کا ہمیشہ عشاء کے بعد سو جاتے اور آخر شب میں تہجد کے لیے بے دار ہوتے۔ اس معمول میں کبھی فرق نہیں آیا۔

اس علمی ادارے کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اپنے مسلک اعتدال کی طرف دعوت دینے اور دوسروں پر تنقید کے سلسلے میں پیغمبرانہ اسلوبِ تبلیغ اختیار کیا جس میں مخالف کو زیر کرنے کے بجائے اس کی دینی خیر خواہی کو زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ دار العلوم دیوبند نے حق کے مقابلے میں مداہنت کو کبھی گوارا نہیں کیا اور جس بات کو حق سمجھا اس کا برملا اظہار بھی کیا، لیکن اس اظہار میں حکمت اور نرمی کا پہلو ہمیشہ مد نظر رکھا گیا۔

دار العلوم دیوبند کا اصل مقصد چونکہ دین کی حفاظت تھا اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہ ہو سکتا تھا جب تک ایک جماعت دوسرے ہر کام کو چھوڑ کر صرف اسی کی نہ ہو رہے، اس لیے انہوں نے دنیاوی مناصب اور عہدوں سے قطع نظر کر کے اور خود پیٹ پر پتھر باندھ کر اس خدمت کو انجام دیا، لیکن عام مسلمانوں کی مادی ترقی کی فکر انہیں ہمیشہ دامن گیر رہی اور انہوں نے ہر اس پر خلوص تحریک کے ساتھ مقدور بھر تعاون کیا جو دین کو محفوظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کی اجتماعی فلاح اور مادی ترقی کا مقصد لے کر آگے بڑھی۔ ہاں جس جگہ مادی ترقی کے شوق میں انہیں دین پامال ہوتا نظر آتا، وہاں وہ دین کی حفاظت کے لیے سد سکندر بن گئے اور اس کا نتیجہ ہے کہ دو سو سال تک انگریز اور ہندو کی دوہری چکی میں پسنے کے باوجود اللہ کے فضل وکرم سے آج دین اپنی صحیح شکل میں محفوظ ہے۔ بر صغیر میں دین کو سمجھانے والے، اس کی دعوت دینے والے اور اس پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کا جذبہ رکھنے والے موجود ہیں، عام مسلمان بھی مغربی افکار کے بے پناہ سیلاب کے باوجود نظری طور پر آج بھی مسلمان ہیں اور اسلام پر فخر کرتے ہیں۔

دار العلوم دیوبند نے جتنی عظیم شخصیتیں پیدا کیں اتنی شخصیتیں کم ہی کسی علمی درس گاہ کے حصے میں آتی ہیں۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب، حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ اور نہ جانے علم وعمل کے کیسے کیسے آفتاب و ماہتاب اس درس گاہ سے پیدا ہوئے۔ جن میں سے ہر شخص ایک مستقل جماعت کی حیثیت رکھتا تھا۔

دار العلوم دیوبند در حقیقت ان ہی شخصیتوں اور اسی طرز فکر اور طرز عمل کا نام ہے جس کی مختصر تشریح اوپر پیش کی گئی۔

میں نے اپنی آنکھ دار العلوم دیوبند ہی کے پر نور صحن میں کھولی اور 53 سال اس مادر علمی کی آغوش میں گزارے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کے انوار وفیوض کا ہر شعبہ ایک ضخیم تصنیف چاہتا ہے اور آج جب کوئی شخص مجھ سے یہ پوچھتا ہے کہ دار العلوم دیوبند کس چیز کا نام ہے؟ اور اس کے امتیازی خصائص کیا ہیں؟ تو میں اس شعر کے سوا ان سوالات کا کوئی جواب نہیں دے پاتا کہ

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغبان
بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد؟